حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

مغربی استعمار کا فکری وثقافتی تسلط

عالم اسلام تقریباً ایک صدی سے یہودی اور مغربی استعماری طاقتوں کے سازشی شکنجہ میں پھنسا ہوا ہے۔ مغربی استعمار کا عسکری تسلط اگر چہ آزادی کی جد وجہد کے نتیجہ میں تقریباً مٹ چکا ہے لیکن سیاسی اور اقتصادی ذرائع سے غلبہ وتسلط قائم ہے اور سب سے بڑھ کر استعماری وصیہونی طاقتوں کی طرف سے ذہنوں کو بدلنے اور ذہنی وفکری غلامی مسلط کر دینے کا عمل نہایت شاطرانہ انداز میں چل رہا ہے، چنانچہ عالم اسلام کے باشندوں سے اسلامی جذبہ کے اثرات کم کرنے کے لیے آپس میں وہ ایک دوسرے کے معاون ہیں، انھوں نے اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے موثر طریقے اور کارگر ذرائع ابلاغ اور تعلیمی وسائل اختیار کیے ہیں جو نسلوں کو ان کی ابتدائی عمر سے ہی متاثر کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات ہر ایک کے مشاہدے میں ہے کہ موجودہ نسلیں ان وسائل کے اثر سے بہت زیادہ ذہنی انتشار اور اپنی جمی جمائی مضبوط قدروں سے دوری میں مبتلا ہو رہی ہیں۔

اس سلسلہ میں باتصویر میڈیا بہت زیادہ اثر انگیز ذریعہ بن رہا ہے جو ہمہ وقتی پروگرام کے ساتھ لوگوں کے گھروں میں زندگی کی ایک ضرورت بن کر داخل ہو چکا ہے۔ وہ خاص طور پر لوگوں کے فرصت کے اوقات ان کے تفریح طبع کے سامان کی حیثیت سے اپنے بامقصد اثرات منتقل کرتا ہے۔ اس کے پروگرام نئی نسلوں کی قدیم روایات کو متزلزل کرنے اور ان کی ثقافت اور مذہبی خیالات کو نئی نسل کے ذہنوں سے دور کرنے کا اہم رول ادا کرتے ہیں اس طرح مغرب کے پیش کردہ وہ تصورات جو مشرق کے دل ودماغ سے ہم آہنگی نہیں رکھتے مشرق کے نوجوانوں کے دل ودماغ پر حاوی ہوتے جاتے ہیں۔ خواہ وہ اخلاقی اقدار کے دائرہ کے ہوں یا عادات واطوار کے دائرے کے، وہ مذہبی عقائد سے تعلق رکھتے ہوں یا انسانی احساسات وجذبات سے تعلق رکھتے ہوں۔ مغرب کے باتصویر ذرائع ابلاغ نے سب سے زیادہ جو نقصان پہنچایا ہے وہ اخلاقی دائرۂ کار ہے۔ جن میں مشرقی شرم وحیا اور جرم وخطا کی ناپسندیدگی اور اپنے کو ایسے کسی الزام سے بچائے رکھنے کی کوشش خاص طور پر قابل ذکر ہے، اس سلسلے میں مغربی میڈیا کے اثر سے جو بے حسی پیدا ہو رہی ہے اسی کا اثر ہے کہ آج کا نوجوان اپنے والدین کے سامنے ٹی وی کے اسکرین

پر مرد وزن کی بدچلنی اور ظلم کے مناظر دیدہ دلیری سے دیکھتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بری بات نہیں ہے وہ ان کی موجودگی میں نوجوان مرد وعورت کے ملتے ان کے جنسی رجحانات کے اظہار، بوس وکنار تک کو برجستہ دیکھتا ہے اور اسی طرح دوسرے بے شرمی اور بے راہ روی کے مناظر اس کی نگاہوں سے گزرتے ہیں۔ پھر مخلوط تعلیم کے نظام میں لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں اور لڑکے اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ خلوت وعزلت کے لمحات سے بھی گزرتے ہیں اور ایسے مواقع بھی ملتے ہیں جس میں کوئی چیز ان دونوں کے درمیان حجاب نہیں بنتی۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ جب وہ والدین کے سامنے جذبات کو برانگیختہ کرنے والے مناظر دیکھ چکے ہوتے ہیں اور کسی شرم وحیا کا ان پر گزر نہیں ہوتا تو بھلا ان نوخیز افراد کے لیے کیا بات مانع ہوسکتی ہے کہ وہ ایسے مناظر کو اپنی زندگی میں نہ لے آئیں۔ پھر فلموں اور ٹیلی ویژن میں محض آوارگی و بے راہ روی کے مناظر ہی نہیں ہوتے بلکہ قتل وغارت گری اور جرائم کے نئے نئے طریقے پیش کیے جاتے ہیں، اس کے اندر اخلاق وکردار اور دین ومذہب کو پراگندہ کرنے والے کردار ادا کیے جاتے ہیں جنہیں فلم کے اداکار اس کی مختلف جھلکیوں میں پیش کرتے ہیں۔

بے باکی اور اخلاقی انارکی کے ایسے مناظر واحوال سے کچے ذہنوں پر جو اثرات پڑتے ہیں ان کا مغربی تہذیب وماحول کے اندر صاف مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، لیکن افسوس کہ اب یہ چیزیں مشرقی تہذیب میں بھی انہیں ذرائع ابلاغ وتصویر کے ذریعہ داخل ہوچکی ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی ان کے اثرات صاف دیکھنے میں آرہے ہیں اس طرح خود ہمارا معاشرہ اب اخلاق وعادات اور ہوس پرستی ولذت کوشی کی وجہ سے ایک فاسد اور متعفن معاشرہ میں تبدیل ہورہا ہے۔

دراصل یہ ایک صہیونی سازش ہے جیسا کہ ان کے پروٹوکول کی ہدایات سے پتہ چلتا ہے اس صہیونی سازش کو پہلے عیسائی دنیا پر کامیابی ملی پھر اس سے متاثر عیسائی سوسائٹی اس کی ہم نوا بن گئی اور پھر وہ دونوں مشرقی اقوام میں اس طرح کے اثرات بڑھانے کے لیے ایک دوسرے کے مدد ومعاون ہوگئے۔ حتی کہ روس کے زوال کے بعد دونوں کا اصل نشانہ خاص طور پر مسلمان معاشرہ کو بنایا گیا، اس سازش کے مرتب کرنے والوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اسلامی فکر وخیال سے برگشتہ کرنے والی نئی نئی اصطلاحات ایجاد کیں، جو مسلمان اسلامی اقدار وتشخص کے ساتھ جینا چاہتا ہے اس کو ان اصطلاحات کے ذریعہ مطعون ومبغوض بناتے ہیں۔ مغربی ارباب سیاست اور مفکرین اسلامی زندگی کو پسند کرنے والے افراد کو بنیاد پرست کہتے ہیں اس میں بنیاد پرستی کا برا پہلو ابھارتے ہیں جس سے پس ماندہ ذہنیت اور ہٹ دھرمی کا اشارہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا کردیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالی کی عبادت اور مذہبی فرائض کا التزام کرے اس کو بنیاد پرست کہہ کر مطعون کرتے ہیں اس کو مذہبی ہٹ دھرمی کرنے والا شخص مراد لیتے ہیں اور

اگر وہ اس طعنہ وزیادتی پر ناگواری ظاہر کرے تو اس کو دہشت گردی اور شدت پسندی کا الزام دیتے ہیں، بلکہ سنجیدگی کے ساتھ مذہب پر عمل کرنے والوں اور مذہبی اقدار وثقافتی روایات کی حفاظت کرنے والوں اور دینی جوش وجذبہ سے سرشار افراد کو کھلے طریقے سے دہشت گرد قرار دیتے ہیں، پھر اسی فرضی الزام واتہام پر انہیں گرفتار کرکے جیل کی سلاخوں کے اندر تک پہنچا دیتے ہیں اور اگر وہ سختی سے ناگواری دکھائیں تو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے ہیں اور نئے نئے نفسیاتی طریقوں سے ان کے دل ودماغ کو ان کے پاکیزہ اور مذہبی معاملات سے وابستگی ومحبت کو یکسر صاف کردینا چاہتے ہیں اور جب تک وہ اپنی دینی فکر اور اس کی وفاداری سے تائب نہیں ہوجاتے انہیں رہا نہیں کرتے حتی کہ وہ دل سے یا منافقت کا طریقہ اختیار کرکے اپنے عقیدہ ومذہب سے کنارہ کش نہ ہوجائے۔

اس طرح کا رویہ اختیار کرکے اسلام دشمن عناصر اس خوش فہمی میں پڑجاتے ہیں کہ انھوں نے مسلم نوجوانوں کے دلوں سے دینی فکر کے اثرات کو اکھاڑ پھینکا ہے، لیکن جب یہ نوجوان ان سلاخوں کے باہر آتے ہیں تو ان کے دل ان ظالموں کے خلاف نفرت اور عداوت سے بھرے ہوتے ہیں۔ اور جب ان کے بھائیوں، دوستوں اور ہم وطنوں کو جیل میں ان کو پہنچی تکلیفوں کا علم ہوتا ہے تو ان میں بھی سخت وغصہ و تنفر پیدا ہوجاتا ہے اور یہی چیز جب حد سے تجاوز کرجاتی ہے تو ان نوجوانوں میں اس ظلم وزیادتی کے خلاف انتقامی جذبہ پیدا ہوجاتا ہے، انجام کار وہ اس غصہ کی بنا پر انتقام پر آمادہ ہوجاتے ہیں، اسی وجہ سے دنیا کے مختلف حصوں میں حادثات رونما ہوتے ہیں اور جھڑپیں ہوتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان جھڑپوں اور واقعات کا ذمہ دار کون ہے؟ جب تک نوجوانوں کو بھڑکانے کے اسباب موجود ہیں اس کے نتائج بہر حال سامنے آتے رہیں گے۔ اس لیے مغربی مفکرین اور ظالم سیاسی لیڈروں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس چیز کو مذہبی دہشت گردی کہتے ہیں اس کی صحیح صورت حال اور اس کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کریں اور وہ اس مرض کا صحیح علاج تلاش کریں، اور ان اسباب کو دور کریں جو لوگوں میں ردعمل کے طور پر غصہ اور گرمی پیدا کرتے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ اپنی طاقتوں کو غیر حقیقی باتوں میں ضائع کریں جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ نوجوانوں کے اندر بغض وتشدد محض اس ظلم وزیادتی کی ناپسندیدگی اور ردعمل کے نتیجہ میں پروان چڑھتا ہے جو مذہب پسندوں کے دلوں میں پائی جانے والی مذہب کی بالادستی کو ختم کرنے کے لیے ان پر کیا جاتا ہے۔ اور ان کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں اور اس سب کے برعکس ان مغربی طاقتوں کا اسرائیل اور عیسائیوں کے ساتھ معاملہ بالکل جدا ہے۔ ان کے ساتھ پوری رواداری اور رعایت ہے۔ اس کے مقابلہ میں مشرقی مسلمانوں اور عرب ملکوں کے ساتھ ان کا سلوک بالکل سخت اور جارحانہ ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اسرائیل کی سیاست وحکومت دونوں میں خالص مذہبی عصبیت بلکہ مذہبی ونسلی جارحیت پر عمل

پایا جاتا ہے۔ لیکن مغرب ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا۔ یہودی مذہب کے ماننے والے یورپ کے اکثر ملکوں میں موجود ہیں۔ اور وہ میڈیا، اقتصاد اور قانون ساز مراکز میں پروان چڑھ رہے ہیں، اور اپنے اعمال و کردار میں مذہبی اصول و اقدار پر عمل کرتے ہیں۔ اور خود حکومتِ اسرائیل محض مذہبی و نسلی تعصب کی بنیاد پر قائم ہوئی۔ ان لوگوں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی کہ انھوں نے دوسروں کی زمین کو غصب کیا۔ اور اپنی طاقت کے ذریعہ انہیں زیرنگیں کرنے کے بعد وہاں اپنی حکومت قائم کرلی اور اس کو اپنا وطن بنالیا۔ اور وہاں کے اصل باشندوں کو جلا وطن کردیا۔ صرف یہی نہیں کہ یورپ نے ان کو بنیاد پرست یا دہشت گرد قرار نہیں دیا بلکہ اس نے ان لوگوں کے ساتھ پورا تعاون کیا۔ جب ہم گہرائی کے ساتھ غور کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دہشت گردی ان لوگوں کے نزدیک وہی ہے جس میں صرف مسلم قوم کو مورد الزام بنایا جاسکتا ہو اور تعصب بھی ان کی نگاہ میں صرف وہی ہے جس کا نشانہ مسلمان بنایا جاسکتا ہو۔

اس وقت مسلمان اس روئے زمین پر پھیلی ہوئی تمام اقوام عالم کی مشترکہ دشمنی کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہی حق کو اپنانے اور اعلیٰ انسانی اخلاق سے مزین و آراستہ ہونے کی دعوت دیتے ہیں جس کی وجہ سے اس وقت تک بے راہ روی نفس پرستی اور گھٹیا خواہشات پوری کرنے کا خواب ادھورا رہ جاتا ہے، جب تک کہ اسلام اور مسلمانوں کے ذریعہ انسانی اخلاق واقدار کا قلع قمع نہ کردیا جائے، اسی وجہ سے مسلمان تمام قوموں کا ایسا مشترک دشمن سمجھا جانے لگا ہے کہ بھی اسے نیست ونابود کردینا چاہتے ہیں۔ خواہ وہ مغربی تہذیب کے لیڈر ہوں یا مشرق ومغرب میں اس کے دلدادہ افراد، ان کا بنیادی نظریہ ہے کہ دنیا میں تمام حدود وقیود سے آزادی ہونی چاہئے اسی کو سیکولرزم سمجھ لیا گیا ہے اور خاص طور سے مسلمانوں کو ان کے مذہب سے دور کرنا اصل سیکولرزم ہے۔ ہم اس سیکولرزم کی شکلوں کو ترکی، فرانس وغیرہ میں اسی یک طرفہ قسم کی پاتے ہیں۔ اس میں عیسائی اور یہودی عورتوں کو پورا اختیار ہے جو بھی لباس استعمال کرنا چاہیں استعمال کریں، مسلم عورتوں کے لیے یہ تو آزادی ہے کہ وہ عیسائی، یہودی یا دیگر خواتین کی نقل کریں۔ ان کا جیسا لباس پہنیں ان کی جیسی رسمیں اختیار کریں، لیکن اسلام کا لباس یا اس کی رسمیں اختیار نہیں کرسکتیں، وہ اگر اپنے سر پر کوئی رومال بھی ڈال لیں تو یہ عمل دہشت گردی اور بنیاد پرستی کے زمرے میں آجاتا ہے۔ اور اس کو سرکشی، نافرمانی اور ملک کے دستور کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

آخر یہ کیا چیز ہے اور کب تک لوگ اس سے دھوکہ کھاتے رہیں گے، کیا اس کو آزادی سے تعبیر کیا جائے گا؟ کیا یہی ڈیموکریسی ہے، یہی سیکولرزم ہے یا مساوات انسانی ہے؟ یہ سب ترقی یافتہ تہذیب کے زیر سایہ ہورہا ہے۔ اور دنیا اس خوش فہمی میں ہے کہ دنیا میں کسی قوم کو اس طرح انصاف نہیں مل سکا جیسا کہ اس تہذیب جدید میں مل رہا ہے۔